

غلام دین

حسبِ مہول اس سچے ہمی،
 پاخچے بھے کے قریب،
 کرسے نکے قدموں میں بچپی سنسان اور تاریکہ مرک کی خاموشی میں،
 کھیٹی کے مرک کی گھر رگھرنے،
 ذبح ہرتے ہوئے بکرے کے زخے میں سے ملختی،
 نہ ہونے کی آوازوں کی طرح،
 اُس کے بدن کو خبر کی،
 موت کا عارضی بخیر پختہ ہوا۔
 گندگی کے انباروں کو مرک میں منتقل کرتے وقت مزدور بُو میں سانس لیتی ہے
 خور توں اور مردوں کے درمیانی حصوں کا ذکر کر رہے تھے۔ ان کی آوازوں اُس کے ہوئے
 مرک گرچلتے ہوتے انہن کی گھر رگھر میں مدغم ہو کر اُس کے کالوں پر دشک دینے

لیلیں، بہوت کام عارضی تجربہ ختم ہوا۔ پھر صبح کی خفک ہوا، بیچوں سے اُنہل سپھل کی جانے والی غلطیت کی بُداش کئے تھوڑے کے اندر لے آئی۔ اس نے بچاؤ کی خاطر منہ کے راستے ایک طبیل سانس لیا..... پھر ایک اور..... پھر ایک اور..... مگر گفتگو؟ جب ہر سو بُدجہ کا راج ہو جائے تو انہاں کب تک صرف منہ کے راستے سانس لے کر اُس سے فرار حاصل کر سکتا ہے؟ بالآخر اس نے اپنی ناک سے اس ہلکی بد بودا رہوا کو اپنے پھیپھروں میں کھینچا اور لوپے ماحول کا ایک حصہ بن گیا۔ کم از کم ایک اوّ دن کے لیے۔ اس نے بستز پر پڑے پڑے اپنے دونوں پاؤں بلند کر دیئے۔ یہ رضاٹی تھیٹر کے کسی سکرٹے ہوتے پڑے کی طرح انگلیوں پر سے ہلکی جسے اُس نے ایک جھکٹے سے اپنی مانگوں کے نیچے سمیٹ لیا۔ اسی طریقے سے اپنے ہاتھ فضا میں بلند کر کے رضاٹی کو اپنے سر کے نیچے دالیا اور پھر روٹی کے اس حصاء میں کمل طور پر حفظ ہو کر آنکھیں جھپکانے لگا۔ شاید میں ایک جائزہ میں جسے تلی پیٹریٹے بکڑ رکھا ہے۔ ہا۔۔۔ مگر میرے دلیں پاؤں کا انگوٹھا باقی جسم کی نسبت سروکبوں ہے؟ انگوٹھے پر نہیں خنک ہوا دھیرے دھیرے سرسراتی محسوس ہو رہی تھی۔ اس نے محظوظ ہوتے ہوتے انگوٹھے کو ہلکا سالم دیا.....۔۔۔ رضاٹی کے سو راخ میں پھیلن گیا ہے، بلکہ اس وقت یعنی باہر جانک رہا ہے۔ عجیب سالگ رہا ہو کا رضاٹی کی طرف پر آگا ہو اکیک انگوٹھا جیسے چولدار غلاف کے بیچوں بیچ ایک کھمب اُگ آیا ہو۔ مگر کھب تو شاید سفید ہوتے ہیں اور اس کی رنگت بہر حال ایک کالا کھمب ہی۔ اس کا جو چاہا کر دہ اس منظر کو دیکھے گراں کے لیے اُسے روٹی کے حصاء سے باہر جانکا پڑتا اور یہی رضاٹی کے اندر سٹور کی ہوئی حدت فرار ہو جاتی۔ چنانچہ دو چکپا پڑا رہا.....۔۔۔ مگر باہر صبح ہو ہلکی تھی۔

حسبِ معمول اُس صبح بھی ایک ہتھوڑے سے شفاف کارڈز کے قریب لٹکتی ہوئی سلاخ کو قیدیوں کو جگانے کے لیے پہنچا گیا۔ لہڑکی کے شیشیوں میں سے جن پر کھڑے کی ایک دبیرتہ جبی ہوئی تھی گامی ہے جسے

یہ آواز سرایت کرنے لگی اور پھر بیکھنت بدھ ہو گئی ہباہ عضف بک مسردی
لختی اور کمپ کا ماحافظت نہیں کر دی تک الارم بجانے میں دلچسپی نہیں
رکھتا تھا۔ جب آئین ڈینیوں کی بیدار ہو تو باہر ہر شے تاریکی میں
پیش ہوئی لختی مگر صبح ہمیشہ کی طرح اُس کے سر پر گھٹڑی لختی ہے۔

اگرچہ باہر صبح ہو چکی مخفی مگر وہ چیلکا پڑا رہا..... اُسے معلوم تھا کہ اُسے اٹھا دیا جائے
کامیں کا ذہنٹ ڈاؤن شروع ہرنے کو تھا۔

وہ! ہاں شاید وہ نہار ہی ہو گی پتہ نہیں اس میں کیا مصلحت ہے کہ یہ
عورتیں بعد میں نہایت ضرور ہیں آخر گیوں ہی کیا اُسے آج ضرورت تھی؟ پچھلی شب
..... ہر سکتا ہے کچھ ہوا ہو ذہن پر گوئی نقش باقی نہ تھا جسم پر بھی
نہیں؟

نہیں!

لو! گھٹروں میں تازہ پانی

آٹھ! پچھلی رات کے گذے بر تنہ کی صفائی ہو رہی ہو گئی۔
سات! آٹھا گز نہ دھنا اب اس عمل میں بھی شاید جنسی تلذذ کا ایک جذبہ
کار فرما ہوتا ہے۔ تازہ آٹا جس پر پانی کے گرفتے سے دہی مہک اٹھتی ہے جو ایک
گرم ہوتے ہوئے بدن میں سے پھوٹتی ہے اور کبیل نہیں۔ وہرتی پر جنم لینے والی
اور اس میں سے پھوٹنے والی اشیا کا منبع تو ایک ہی تھا!

چھ! پچھوں کو دو دھپلانا۔ کسی بھی دو دھو دینے ولے جانور کا۔

پانچ! اب شاید ہمسانی سے بات چیت بلکہ گزارش چیزی کا ایک

لہٰ تام حوالے اگر زندگی سول زندگی کے نادل "آئین ڈینیوں کی زندگی میں ایک دن" سے یہے گئے۔

پیالا ادھار جب تک اگلا راشن نہ مل جلتے۔

چارا!..... مُنتہ کی سچکنی گیل کر دیوں کو سلکاتی ہوئی۔

تین!..... تو سے پر بکھرا سفید آٹا اب آہستہ آہستہ جدت سے نبھرا ہو رہا ہے۔

دو!..... اب پتہ نہیں کیا کر رہی ہوئی؟

ایک! اب بھی پتہ نہیں.....

زیردا!..... اب!

اسی شے رضائی اس کے بدن پر سے ایک جانے کی طرح اٹھی اور پھر قدموں میں ڈھیر کر دی گئی۔ غصب! غصب! غصب! اسے دو پہر منے کو آئی جن کو بال اپنے لئے نکر رہتی ہے وہ مُنتہ اندر ہر سے اپنے کار وباری ملکاڑیں کی جانب چل چیتے ہیں تم جیسے نکتے۔
رو برو، اس پر چکل ہوئی آنکھیں غصے سے اُبل رہی تھیں۔

مُوسیٰ نے اس کا چکل اور جیکٹ ایک جنکے سے کسی نے آتا
چنکے۔ آنکھوں نے اپنا کوٹ چہرے سے اُتمادا اور جلدی سے اُنہوں
کو بیٹھ گیا۔ اس کی آنکھوں میں آنکھیں ڈالے تین دن کا ماحافظت نامی کھڑکا
”بیس سالہ سوچون“ نامی نے اس کی سیاہ جیکٹ پر سیل ہوئی سعید
پٹی پر سے تبرہ ڈھتے ہوئے غصے سے کہا تین دن کی مشقت“ اگر
آئیوں گو کسی ایسے جرم کی سزا المی جو اس سے سرزد ہوا تھا تو اسے
بالکل دکھ نہ ہوتا۔ اسے تو اس بات سے تنکیف پیچی بیٹھی کر دوہ تو
ہمیشہ بقیہ قیدیوں سے بہت پسلے بیدا ہو جایا کرتا تھا۔ لیکن اسے
معلوم تھا کہ ماحافظت نامی کے ساتھ بحث میں ایجھنا بالکل فشنول
تھا۔

بستر پر سے ٹانکھیں سکیٹتے ہی اس کے سامنے ناشستہ کی ٹرے سے چکل دی گئی اس
نے کر دن جھکاتی اور زمگ آور دڑ سے کو گھر نے لکا۔ وہ اب کمرے میں بالکل الیا تھا۔
اسکے دس منٹ کے لیے آزاد تھا۔ خالی المذہب ہو کر بیٹھے سکتا تھا۔ فضل فسر کی سرچ

شروع ہو جاؤں ہے ہر جاڑ لوچھر دو آن چار آن قید خان کو
کرو لکھر لڑکی بلکن لگلی پیٹ کوئی من تسلکا نہیں تو پھر تنگی
لڑکی بکرے کی ران وہ گولی مارو آج کا دن کیسا ہو گا کیا مطلب اُن کا
دن ؟ ایک مرتبہ میں نے ڈاتری ہزیری۔ ایک سال کے بعد جب اُسے پڑھا تو معلوم ہوا
کہ جیسے یکم جزوی کو جو کچھ ہوا اُس کی مہربانی گئی اور تینیں سوچ سمجھ صخراں پر دھی ثابت
کر دی گئی۔ ہو گا کیا ؟ وہی ہرگا ج منظور خدا ہو گا اور آئے گا آئے والا، بخواں مت کرو
گھسے کے نتے اماں ۔

”میں کوئی رہتے ہو؟“

”جی... کچھ نہیں“

"تھارا خیال ہے میں احمق ہوں؟ کیوں منس لئے ہو؟"

"یقین کروں لپے ہی..... پتہ نہیں ۔"

منکے لوگوں کے دماغِ چل جاتے ہیں؛ چلاب نکلو بھی گھر سے ڈ

ملکتے ہو، اگر کوئی خوبی ہوتی بھی تھی تو بس یہی کہ خوب گرم

ہوتا تھا۔ لیکن آج آئیں کہ جتنے ٹھنڈا سوچا تھا، پھر بھی اُس نے

اُسے نہایت انتہا ک اور آہستگی سے کھایا..... نیند کے علاوہ تین
لمحے ایسے ہوتے ہیں جب ایک قیدی صرف اپنے آپ کے لیے زندہ
ہوتا ہے بصیر ناشتے پر..... دس منٹ! دو پھر کے کھانے پر.....
پانچ منٹ اور رات کے کھانے پر..... پانچ منٹ!

سب سے تنخ وہ لمحہ ہوتا ہے جب تم بصیرے مشتعل کے
لیے باہر جاتے ہو..... تاریکی کی جانب..... بجتوں کے پیٹ..... شریدر
سردی میں اتنے لکھ ہو جاتے ہو، کسی سے گفتگو کرنے کی خواہ نہ
باتی نہیں رہتی۔“

شیش کو بس یہیں سے جاتی ہے: ایک آواز لے پوچا۔

اس نے بھیجے ہوئے بجتوں علیحدہ کرنے کا جتن کیا گر شاید روٹی کی بجائے اس نے
ناشترے پر ایریل ڈاٹ چایا تھا۔ بھیجے رہے۔ اس نے بے دھیانی سے سربراہ رہا۔ مودی
اویانی خلوط کے درمیان کھیں۔ بس شاپ پر کھڑے نام لوگ اُسی کا چہرہ لیے چھٹے تھے۔
ایک تیز رفتار کار میں سے ایک ہاتھ بلند ہوا۔ کوئی جاننے والا تھا۔

کون؟ پتہ نہیں۔ روزانہ اسی وقت وہ ہاتھ بلند ہو کر غائب ہو جاتا۔ چھرو دیکھنے کی
زوبت ہی نہ آتی۔

ایک آگ تاپتے ہوئے شخص سے آپ کسی طرح توقع کر سکتے ہیں کہ وہ
سردی میں ٹھہر نے والے ایک شخص کے خیالات کو سمجھ لے..... ایک
قیدی کے خیالات، وہ بھی آزاد نہیں ہوتے، ایک ہی شے کی
جانب بار بار پڑھتے ہیں۔ صرف ایک ہی آئندیا یا ذہن میں سرسرا تا
ہے۔ کیا محاफظہ میرے گذے میں ملی ہوئی روٹی برآمد کر لے گا؛
کیا اگر میں آج جھوٹ مرٹ بیمار ہو جاؤں تو وہ مان لیں گے؟“

مخصر دکان کا دروازہ کھولا تو یہ فرش پر چہوں کی مینگنیں چپکی ہوتی تھیں۔
اس نے ناک کر چلکی میں دیا بیا اور منز کے راستے سالس لیتے ہوئے جھاؤ سے فرش

ساف کرنے لگا۔ اب گرد بھی اندر ہی مخفی تمنہ کھلا رہے تھے تو حلن میں داخل ہوتی ہے۔
تک سے سانس لیجئے میں وہی قباحت کی جو آتی ہے پسند کیجئے حزاں میں وحصت ا!
تو یا گر دی؟ اور اگر آپ دونوں سے نجات حاصل کرنا چاہتے ہیں تو سانس لینا مکمل
طور پر بند کر دیجئے۔ نزادان اور شانتی۔ اللہ اللہ حیر صل۔ مگر اُسے فی الحال نزادان
نہیں چاہیے تھا۔ تو زیادہ ہوتی تو تمنہ کھل جاتا، گرد کا عنابر حلن میں اُترتا ذراں
پچک جاتی۔ صفائی سے فارغ ہو کر اُس نے مختلف ڈبوں، پکڑیوں اور بوتلوں کو
جھاٹن سے اچھی طرح جھاڑا اور پھر اپنے یوسیدہ گدے پر بٹیا گیا۔

”بھائی چار آنے کی میٹھی گویاں“ پہلا گاہک۔

”مشتعلہ دل کا ایک پیکٹ“

شاید وہ پہلا گاہک ہی تھا جسے اُس نے بلیوں کا پیکٹ دیا تھا کیونکہ اُسے
وقت گزرنے کا احساس تک نہ ہوا۔ نزدیکی مسجد سے اذان کی آواز اُر ہی تھی اُس
نے بازار کی جانب پیٹھ کر کے کھانے کی پوٹھی کھول لی۔

”آشیون نے آسمان کی جانب دیکھا اور جیرت سے اُس کا منہ
کھل گیا۔ سوچ دو پھر کے کھانے کی جگہ پیسچ چکا تھا۔ جب
تم کام میں بُجھے ہوئے ہر وقت کس طرح پرواز کرتا ہے؟
تُم کوئی لفظ کھنے کے لیے لب کھول تو اس سے بھی پہلے دن گذر
جاتا ہے۔ صرف دن..... لیکن سال وہ کہیں نہیں گزرتے۔ ان کا
ایک لمبی بھی نہیں گزرتا“

”یہ ان پکڑاں کی پیش کر دے بُنل اندر کھینچ کر بولا۔“ تم سہنہ وار تعطیل کس ورز
کرتے ہو؟“

”تعطیل؟ جناب اگر کوئی فوتیڈگی وغیرہ ہو جائے تو مکر لیتا ہوں درست تو
لوہت ہی نہیں آتی؟“

”یہ سر فالوں نمبر نلان کے تحت ایک چالاں..... ملازموں کو سہفتے میں ایک“

چھپی دینا لازمی ہے۔"

"مگر جناب میر تو کوئی ملازم نہیں..... میں خود....."

"چھت سکھا ہوا یہ پنکھا جھول رہا ہے کسی دقت بھی گر کر دکان میں کام کرنے والوں کے لیے نقشان کا باعث بن سکتا ہے۔ درجہ اچالان ۶
لیکن جناب میں تو خود....."

"میکی تم سمجھتے ہو کہ حکومت تعلیمی بیرونی کی ذمہ دار نہیں ہے" ان پکڑ خوات سے
بللا" قوانین متعاری بہتری کے لیے ہی ناذ کئے جاتے ہیں..... اور ابھی قوانین کے
تحت اس دکان کا فرش تحریکی یہ کہی جس پر میں بیٹھا ہوا ہوں یہ مدد بوسیدہ ہے
لرزہ ہی ہے..... تصریح اچالان"

اس کا بابا ایک پہنچنے کی طرح ان پکڑ کی جانب اٹھا ہوا تھا اور بایاں تھے
میں پڑے دس کے رشت پر رکھا کاٹ پ رہا تھا۔ بس تھوڑی سی ہمت ذاتی جرأت،
یہ رشت ہتھیلی میں سریٹ کران پکڑ کی طرف ٹھرا دو۔ وہ رجھڑ بند کر کے چلا چاٹے گا غلطی
اُسی کی نتیجی۔ نیا ان پکڑ آپر بازار میں ایک دکاندار نے اس کے نائب کی سیشیت اختیار
کر لی اور لقبیہ دکانداروں کو کہہ دیا کہ میں روپے میدنہ ادا کرتے رہو، صاحب مریف
آدمی ہے تھنگ نہیں کرے گا۔ مگر اس نے انکار کر دیا تھا۔ مجد پر قوانین کا اطلاق کیونکہ
ہو سکتا ہے، میں اکیلا اس دکان کو چلاتا ہوں۔ جھلاؤں خود..... بہر حال اب اس کے سامنے
بیٹھا ان پکڑ صفحے کے صفحے سیاہ کئے جا رہا تھا۔ اس کی ہتھیلی بستور رشت پر جبی ہوئی نتیجی۔
بس تھوڑی سی جرأت کا مظاہرہ..... مگر یہ جرأت اُسے کہاں سے ہے؟ کچھ سے لے کر
دو رشت پر ان پکڑ کے ہاتھ تک ایک ایسی خیج حائل نتیجی جسے وہ کبھی عبور نہ کر سکا۔
بجلاؤگ اتنی آسانی سے نارمل وہ کر سکلتے ہوتے یہ فعل کیسے سر انجام دے لیتے ہیں
..... اُس لمحے جب ایک طرف رشت ہوتا ہے اور دوسری جانب لا تھ۔ کس طرح اک
زٹ کو وہ خیج عبور کرائی جاتی ہے۔ دل کی دھڑکن بند نہیں ہو جاتی؛ بند ہتھیلی پھول کر
عبارہ تو نہیں بن جاتی؟ سرو رسیگ تو نہیں اُگ آتے؟ دانت ہونٹوں کو چھپید کر چلکنے

زندگی کیا ہوتا ہے۔ اُسے معلوم نہ تھا۔ وہ دبپک اور زنگنا تھا کیونکہ رگوں کی ہستیلی مقتنا طبیعی ہوتی ہیں، اِدھر ہاتھ بڑھایا اور حرف فرٹ چھٹ گیا اور دوسروی ہستیل کے دبپک کے ہی فرٹ ہوا میں تیر کر کر اس ہاتھ سے جا لگا۔ مگر اس کا ہاتھ..... نوٹ پر پڑا پانڈا ہوتا گیا۔ اور ان پر چالان لکھتا رہا۔

”چیز تو بہت آسانی سے بنایا جاسکتا ہے اور بہت تیزی سے۔ اور یوں کتنے ستم کی بات ہے کہ تم اپنے ساقیوں سے، اپنے دشمنوں سے اس معاملے میں بہت یقین پر رہ جاؤ۔۔۔۔۔ بس اس کے لیے اُن کو گوں کے ساتھ گھنی مل کر، دوستی سے رہنا پڑتا ہے۔ جانا پڑتا ہے کہ ایک ادھ ہستیلی پر جھن کیسے لگایا جاتے۔ اگرچہ آئین نے اس زمین کو پالیں برس تک رومندا تھا، اگرچہ اس کے آدمیے دانت گچکے تھے اور سر بالکل گنجام ہو چلا تھا مگر اس نے آج تک رشتہ نہیں قائم کیا اور نہ ہی ایسا کرنادہ سیکھ سکا تھا۔ اس قید خانے میں بھی نہیں۔“

”بھائی صاحب کیا وقت ہوا ہے؟“ ہانپتے ہوئے پوچھا۔
بھائی صاحب نے کیا تھا رے پاس گھر دی نہیں ہے، انظر دوں سے اُسے دیکھا اور دس منٹ۔ آٹھ بجھنے میں؟“

”آٹھ بجے کی بس چاہیے۔ آٹھ بجے کی بس درکار ہے۔ دے دے بابا آٹھ بجے کی بس؟“

”مکسی قیدی نے آج تک کوئی کلاک یا گھر دی نہیں دیکھی تھی۔ آخ اُسے ان کی کیا ضرورت ہو سکتی تھی۔ اُسے تو صرف یہ جانتے کی ضرورت تھی کہ کیا چھٹی کا الارم آج بلند بج جائے گا؛ کیا نے میں کتنی دیر ہے؟ اور پھر سونے کے لیے کب جگہ ملے گا؟“
”بھائی صاحب کیا وقت ہوا ہے؟“ مزید ہانپتے ہوئے پوچھا۔

ان بھائی صاحب نے بھی اُسے کیا معاشرے پاس گھٹری نہیں ہے، نظر وہ
دیکھا اور پانچ منٹ آٹھ بجئے میں ۹۔

آٹھ بجے کی بس چاہیے آٹھ بجے ایک آٹھ بجے دو۔ میں بابا آٹھ بجے کی بس۔
ورنہ دوسرا بس زندجے آئے گی اور زندجے والی بس کس بجے گھر پہنچائے گی اُو
دیں بجے..... کھیل ختم، وہ سوچکی ہوگی۔ خوابیدہ بنا کو کون جھکائے باخوبی کھانا
گرم کرنا پڑے گا اور بعد میں برتن بھی صاف کرنے ہوں گے۔ لہاں اس کا ایک فائدہ
ضور ہوتا ہے۔ وہ اُن آنکھوں سے فرار حاصل کر کے چاپی سے کٹوں سے کواس طرح
صاف کر دیتا ہے کہ دمبلی چکنائی کی ایک تن کے علاوہ کٹورالشکارے مارنے لگتا ہے۔
ایک کٹورا سالی اور تین چھاتیاں۔ پیٹ تو نہیں بھرتا ان سے، جب تک کہ کٹوں
کو چاٹا نہ جائے۔ اور ظاہر ہے یہ فعل اُس کے سامنے تو نہیں سرانجام دیا جاسکتا.....
آٹھ بجے کی بس..... آٹھ بجے..... اس کے پاؤں جو پہلے ہی تیزی سے حرکت میں تھے
اب باقاعدہ دوڑنے لگے۔ سارا دن دکان پر بیٹھا کرنے کے بعد اب اس کی کھر
میں شدید درد ہو رہا تھا۔ گندی نالی میں بنتے ہوئے پانی پر سے وہ اس تیزی سے
گزر جیسے تیر جانا چاہتا ہوا..... ورز پھٹے ہوئے تو یہ کے اندر پانی ھنس کر
گدگدہ سی کرے گا۔ گراٹھ بجے کی بس..... شاباش بھاگو..... قدم سے کپڑا لوگے۔

”دنیا میں ایسے لوفر بھی موجود ہیں جو اپنی مرضی سے کسی شیدیم
میں دوڑنا مشروع کر دیتے ہیں۔ اُن شیطalon، بکھتوں کو چاہیئے
کہ وہ سارا دن مشقت کرنے کے بعد دوڑ کے دیکھیں۔ دمکتی ہوں
کر کے ساتھ، جیسیکہ جراں اور پھٹے ہوئے بوٹوں کے ساتھ اور
..... شدید سردی میں ۹۔“

بس کے دروازے بند تھے۔ دراہیور اور کلڈ کٹر اگلی نشت پر بیٹھے مزے سے
سگٹ کھینچ رہے تھے۔ دھڑاں خالی بس میں کُبڑی طرع پہیل رہا تھا۔ کچلوگ بند
کھڑکیوں کے شیشوں پر ناکہن چپکائے خالی نشتروں کی حرمت بھری نگاہیں سے
دیکھ رہے تھے جیسے دوسری جانب ایک پُرساڑا ٹسک زدہ دادی ہو جس میں داخل ہو کر

وہ اپنے تمام تر کھروں سے بجات حاصل کر لیں گے۔ یہ بس انھیں گھر کی بجائے کہیں اور لے جائے گی۔ باقی مسافر بندور والے پر تھیلیاں جائے ہاں پ رہے تھے تاکہ اس کے کھلتے ہی، اس سہم سکم کے واہوتے ہی وہ چھلانگیں لگا سکیں..... ان کی حیثیت کا ایک ہی مشدود تھا۔ اس دو لئے میں سے اندر و داخل ہونا..... وہ بھی سرپنہ معاکر اس بحوم میں گھس گیا، نیچے ہی نیچے، ہاتھ پھیلاتے نہنا انگر اس نے بس کی بادی کا لس محروس کیا اور پھر ساکت ہو گیا۔

”محاذین نے دروانے نہ کھولے۔ ان کا پنے آپ پراعتبار نہ تھا۔“

انھوں نے قیدیوں کو دروازوں کے تیچھے دھکیل دیا اگر قیدی سب کے سب دروازوں کے ساتھ ہونتوں کی طرح چلتے رہے کہ شاید

اس طور جلد باہر نکلا جائے۔ چٹکارا ہو جائے یا۔“

اُس نے دلوں یا تھا اور طناب نگیں اٹھا کر رضاۓ کو اپنے اور پر تان لیا، جیسے کرنی جاؤ دی قاتلین فضائیں معلق ہو۔

”ہلکی ہو گئی ہے۔“ اس نے ایک جھٹکے سے بازو اور ٹانگیں سمیٹ لیں اور رضاۓ دھپ سے اُس پر اگری مکم ازکم دوسری مزید روٹی اُس میں کھپاتی جائے تب نہیں گزیں گی۔“ اس نے پاؤں کا اچھوٹا چلا کر صبح والے سوراخ کو تلاش کیا مگر ناکام رہا۔ کمرے کی تمام کھڑکیاں اور دروانے بند تھے۔ پچھمری سے خارج ہرنے والی حدت بے حد آسودگی دینے والی تھی۔

وہ انہیں میں پڑا پھٹ کو گھوڑتا رہا۔ یہ سلسلہ کب تک جاری رہے گا پہنچ کی تغیرت تبدل کے، ایک ہی ڈگر پر، کمزی میں کے بیل کی طرح..... پہلے پہل تو یہ اس اتنا شدید تھا کہ وہ پوری پوری رات و حشت میں آنکھیں جبکہ کامگزار دیتا۔ مگر اب تو خواہش بکدھ خواہشون کی فصل کا نام و نشان نہ تھا۔ حیاتی کا کھیت تیز اور فیکلی دب سے بھرا پڑا تھا۔ کہتے ہیں ایک ہی شخص کو باندا عدگی سے دیکھتے رہو تو اُس کے چہرے

”آئیوں پھٹ کو خاموشی سے گھوڑتا تھا۔ اب تو یہی حلوم نہ تھا کہ وہ“

اڑادی کا خواہ ہے بھی یا نہیں۔ پہلے پہل تو یہ خواہش بے حد شدید تھی۔ ہر

شب دہ بستر پر لیٹ کر اپنی قید کے دن حکمت سنتے گذ رگئے؛ کتنے باقی ہیں اور
چھرو ڈکھتی سے آتا گیا..... ایک شب اس پر یک دم منکشت مہوا کا اس
جیسے لسان کو تو کبھی بھی گھر نہیں جانے دیا جاتا۔ وہ تیشہ جلاوطن ہی رہتا
ہے اور پھر کیا اس کی زندگی اُس گھر میں! اس قید خانے سے کسی طور پر
بھی ہو گی یا نہیں..... کون کہہ سکتا ہے؟ اس کی قید میں تین ہزار چھوٹے پیپ
روز باقی تھے۔ پہلا الام بچنے سے آخری الام بچنے تک۔ قید میں تین روڑ کا
اضافہ لیپ سالد کی وجہ اپیلوں میٹھن ہو کر سو گیا۔ اس روز وہ بے حد
خوش قسمت رہا تھا۔ انھوں نے اُسے کو شکری میں نہیں ڈالا تھا۔ اُسے
کھانے کے لیے ایک کے بھائے دو پیارے ملے تھے۔ اُس نے ایک دیوار
کی تعمیر کی اور پوری طرح لطف انہوں نے ہوا تھا۔ اُس نے کیپ میں ٹوہے
کا ایک میٹھا سکل کرایا تھا۔ اُس نے قیدیوں کے چھوٹے موٹے کام کر کے
کچھ پیسے بنایے تھے۔ اُس نے تھوڑا سا تباکو خریدا تھا اور وہ بیمار نہیں
ہوا تھا۔ اُس کا دن مکمل ہو گیا تھا۔

وہ کیا کہا دت ہے کہ ایک شخص کے پاس جو گتے نہیں تھے اور پھر اُس
نے ایک پاپنج شخص کو دیکھا اور پھر پتہ نہیں ہوا..... شکر کرو رہتے کا
قانع رہو، اپنے حالات سے سمجھوتہ کرو کہا توں والے بزرگ یہی کہتے ہیں۔
میں اب بھی بہت سوں سے بہتر ہوں..... کتنی سے؟..... مجھے کیا پڑے
میں بہتر ہوں..... سو جاؤ..... وہ میٹھن ہو کر سو گیا۔ اس روز وہ بے حد
خوش قسمت رہا تھا۔ بیوی کے ساتھ کوئی خوناک قسر کا جھگڑا نہیں ہوا تھا۔
اس دکاندار نے بعد میں اپنے طور پر انسپکٹر کو میں روپے دے کر اس کے نام چلانی
کروائیے تھے۔ کھانے کے بعد اسے ایک پیار چائے بھی ملی تھی جو ذبحے
کی بجائے آٹھ بنجے والی بس پر سوار ہونے میں کامیاب ہو گیا تھا تیرم اُس
کی کوئی نعمتوں کا شکر ادا کر دے گئے! اُس کا دن مکمل ہو گیا تھا۔ وہ میٹھن
ہو کر سو گیا۔

ام کلسوپ

اب نے اپنا ہر قدم مکھاڑنا پڑ رہا تھا جیسے وہ کچھ میں بھاگ رہا ہو پندرہ سو ز شو ز
 میں پیک شدہ پاؤں و زنی ہو رہے تھے۔ مدن آگے نکلتا پاؤں گھستے دیکھے رہ جاتے،
 وہ مان سائز کے شوکھیں میں رکھی بتیسی بھیجنی ہوتی، دماغ کے خلیوں کو الیں۔ اوں ایں
 بھیجا ہوا..... صرف چند قدم اور..... اذیت کے چند لمحے اور تھارا پورا اچھر مکمل
 ہو جائے گا تم ورزش کے لیے ہر صبح اس باع کے گرد پلٹی ہوتی مسٹرک پرستی سے
 وڈرتے ہو، پچھلے کٹی برسوں سے، ہر روز چکر مکمل ہو جانا ہے۔ لگتا ہے کہ آج ہنیں
 ہو گا مگر بہت ہو جانا ہے۔ آج بھی یہ چکر مکمل کرنا ہے: تاریکی ہے مگر تھیں اس سے غرض
 پاؤں اپنارست پاتے میں..... صرف چند قدم اور..... شتاباش۔ مگر دن کے باوں سے
 لکھتے تھوڑے چھوڑتے آپی لنگر پشت پر چلا نگلیں لگا رہے تھے، پیٹے کے ٹیلے مانچے
 سے پھرٹ رہے تھے۔ ناک پر دھار بہہ رہی تھی..... چند قدم اور۔
 اور وہ اندر ہرے میں قدم حصینا بھاگتا رہا۔

تاریکی کا دھواؤں ابھی تخلیل نہیں ہوا تھا۔

درخت، پتے، پوئے، گھاس سیاہی میں ملوفت گنام تھے۔

ایک لکھر پاؤں تک آیا اور ان کی شانگیں صاریحتے ہوتے بچیں۔ عبور کے راستھیں چھوٹی سی رُکادڑتے اور بدن کا کچا کھڑا تھکا وٹ کے پائیوں میں گھلنے لگا۔..... چند قدم اور..... اُس کے کافوں میں فراسے کا دھرم بہاؤ اتار کلب کی عمارت کے سامنے وہ ذراہ نخا جہاں سے بیس منٹ پیشتر وہ سپردیں شوز پر تیرتا ہوا نکلا تھا، چکر ختم ہوئے کہنا، شباہی صرف دس بارہ فرم اور..... ایک..... دو..... تین..... چار..... پانچ..... چھ..... ساڑیں قدم نے اُس کے پاؤں پکڑے۔ وہ لڑکھڑا یا اور رہوڑز کے محکمے کی طرح اکڑوں حالت میں منہ کے بل گرنے لگا۔..... وہ دو بنے لگا۔ گھرائی میں امترنا بیٹھا چلا گیا۔

اکٹوپس اپنا سیاہ جمال پھیلاتے منتظر تھا۔

اُس کے بدن پر سرسرتے ہوئے بے چین فیٹے کے جانے لگے۔ ہزاروں زبانیں مساموں میں اُتریں اور پیاس نجھانے لگیں۔..... جنکوں کا جمال پکڑ رہا تھا شانگوں اور بازوں کے گرد اثرے گھونٹنے کے بعد اُس کی گردن پر سیاہ مفلپٹھے اور اُس نے منہ کھول کر زبان باہر نکال دی۔ بدن پر مکمل گرفت کے باوجود اکٹوپس اُس کے منہ پر اپنی پلاٹک ہتھیلی چکانے میں ناکام ہو رہا تھا، وہ اس کی زبان سے خفرزدہ نخا۔ ہتھیلی منہ کی طرف بڑھتی اور زبان کی نوک سے چھوتے ہی پسپا ہر جاتی۔ سوت کا معما خاموشی کی افیٹیں منہ کے آگے چلتا گزر زبان کی گرمی اخینی چھلا دیتی۔ اُس کی زبان اڑا اور ہی..... اور پرسندر پرشاپید ایک پرانی کشتی عین جس کے ماہی گیر اپنے مشقتی ہاتھوں چندیوں سے بھری ہتھیلیوں میں زنگ آؤ ٹوٹے ہوئے برچھے بھیخپے اس اکٹوپس کے سطح پر آئے کے منتظر تھے مگر اکٹوپس تو کبھی سطح پر نہیں آتا، وہ اپنی تاریک سلطنت میں ہی رہتا ہے۔ جب تک وہ کشتی گھرائی میں ڈوب کر اس تک نہیں پہنچتی وہ محظوظ ہے اور بدوں کو گرفت میں لیتا رہتا ہے۔ سرسرتے ہوئے بے چین فیٹے، ہزاروں زبانیں بدن پر پتھر کی

صورت پختی گئیں۔

ساقویں قدم نے اُس کے پاؤں پکڑے، وہ لڑکھڑا بایا اور رہڑڈنے کے محنتے کی طرح اکٹوں
حالت میں منہ کے بل گرفتے لگا..... تھنکا دٹ اور پینے سے بیگنیت مبن کی انگوری بیل
لیکر کے کانٹوں پر لپٹنے لگی۔ توں توں میں کانٹل نے جال پچا بایا۔ تن کی لاکھوں آنکھوں
میں سلائیاں کھینچ لگیں۔ کانٹوں کے آنکھوں میں سے نکلنے کے لیے اُس نے ہاتھ اور
ٹانگیں پھیلاری۔ سکھی ہتھیبیں میں میجنیں ٹھونکی گئیں، لہنے تلوں میں کاٹنے داخل
ہر گھنٹے، صرف چہرہ کانٹوں کی سرحد کے پار تھا۔ گردن میں سو لوں کی سرخیں اُتریں اور
اُس نے منہ کھول کر زبان باہر نکال دی۔ مبن پر سو شیوں کی فصل بونے کے باوجود دکانستھے
زبان کی فوک سے خوفزدہ رہے۔ اُسے چھپتے ہی گھاس کے بینتکے کی طرح نرم ہو کر پسپا
ہجاتے۔ موت کا محار خاموشی کی اینٹیں منہ کے آنکے چھتا گز زبان کی گرمی اُنہیں پھلا دیتا
اُس کی زبان آزاد رہی۔ مبن کے توں توں سے گون ریس رہا تھا۔ خاردار تار کے
گولے نے اُسے پوری طرح اپنی لپیٹ میں لے رکھا تھا۔ وہ جالے میں لٹکتی تردد کھمی کی طرح
بے حرث پڑا۔ اماگر اس کی رگیں، اُس کے جھینیے سوال کرتے رہے۔ یہ آج صحیح اندر چھیرے
میں راستوں پر خاردار تار کے گولے کہنے پچھا فیٹے ہیں؟
یہ اُس روز کی صحیح جب ذمی ہوشوں کو خاکی تفنن پہنائے گئے۔

دیر قاسم کے نام مرد کھیتیں میں کام کرنے کے لیے جا پچکے تھے جب فوجی گاڑیں میں داخل
ہوئے اور لاؤڈ پیکریں پر اعلان کیا کہ اب جنف سکھی نصانیں آئے گا اُس کا سانس بند کر
دیا جائے گا۔ خاردار تار کے یتھے کوڑوں اور کھڑکیوں پر نفرت کی سانیں لیتے ہوئے پتوں
اور عورتوں نے سُنا اور بی بی کا ٹھوک نگلا۔ دیر قاسم کے مردان کھیتیں میں یتھے ہوئے تھے،
جو بیتی سے پرسے نیم صحرائی بکریے کے اختتام پر سبز ہو رہے تھے اور لاؤڈ پیکریوں کی آداز
کے دائرے سے ڈردختے۔ بچی کے بال سمری تھے اور اس کا باپ بھی کھیتیں میں نجکا ہوا
تھا۔ اُس نے اعلان سُنا اور اپنے آپ کو چھلے سخنوں اور باعیجوں میں پوشیدہ کرنی ہوئی

اُسے جبر نے کے نہیں گائیں لفظ میرنگل بھی شام ہوتی۔ دیر تاسک کے تھکے ہوتے تو انہوں نے اپنی جامہت میں کاہل کر کھینچنے لگے۔ پسے گھر کی پہلی اینٹ کو پار کرتے ہیں جلتا رہا Clas No. آن کے سیون کی زمینت بناد رو سب خاردار اتنا کے انکوپیس میں جکڑے گئے۔ اُنھوں نے کریمی کی خلاف درزی کی تھی، اعلان تو ہر چکا تھا..... چار ماہ بعد ایک پنج تھیت میں سونی ہوتی تھی، اُس کے ڈھانچے پر ماس کی دھیانی تھیں اور اُس کے سہری بال دھرتی پر بکھرے ہوتے تھے اور ان میں سے گندم کی سہری بالیاں پھوٹ رہی تھیں۔

ایسا سے اپنا ہر قدم اکھاڑا پڑ رہا تھا۔ جیسے وہ کچھ میں بھاگ رہا ہو پورٹس شوہز میں پیک شدہ پاؤں وزنی ہو رہے تھے۔ مبن آنکے نیکتا گر پاؤں گھستنے پچھرہ جاتے۔ صرف چند قدم اور..... شاباش صرف چند قدم..... حریت انگریزیات یہ تھی کہ خاردار اتنا کے زخموں میں سے خون کا ایک قطرہ بھی نہ نکلا تھا۔ اُس نے کل صبح واپس جاکر غسل حالت میں اپنے سالے جم کو ایک کڑھی کی طرح ٹوٹ ٹوٹ کر دیکھا تھا، خون نہ تھا، چین کے ہزاروں نقطے ابدیت تھے۔ مگر ان کے نشان نہ صرف احساس کی نوکوں کی فصل تھی،..... البتہ آج وہ لبتر سے تب برامدہ ہوا جب سیاہی ڈور ہو چکی تھی، آج وہ اندر ہرے میں نہیں دوڑنا چاہتا تھا، اپناراستہ دیکھ کر طے کرنا چاہتا تھا..... صرف چند قدم اور..... اُس کے کافی میں ذائقے کا دھم بہاؤ اور پھر کلب کی عمارت کا پیلا اہرام ۱۳۹۴ ہوا۔ اُس نے انہیں پاؤں پر رکھ دیں جو ایک بوڑھے چھر کی طرح جماری ہو رہے تھے۔ انہیں اٹھائیں تو راستے کو کاٹنے کی فصل نے روک لیا۔ باری ٹوڑا ٹریک کے آر پار پچھی ہوتی تھی..... اس نے اپنے یونچے آنے والوں کو دیکھا جو خاردار اتنا کو حائل دیکھ کر ٹھکلتے، نامردی سے سر ہلاتے اور پھر چیپکے سے راستہ بدل لیتے۔ کسی نے تار کے ہونے اور نہ ہونے پر دماغ کو بوجھل نہ کیا، اعتراض نہ کیا بس لا پیدا ائم سے راستہ بدل لیا کیا یہ خاردار اتنا دافقی ٹرک کے آر پار پچھی ہے یا میرا داہم ہے۔ صرف مجھے ہی دکھائی دے رہی ہے؟ دوسرا آنکھوں سے سو امیری آنکھوں کے لیے وہ اختیاط سے اُس کے

قریب بیٹھ گی اور رآہنی بجل پر بے یقینی کا ہاتھ رکھا..... اُس کے پاسے وجود کے زخم لاکھوں پر وہن کے زخم بدلانے لگے..... اُس نے ہاتھ کیسیخ لیا۔ کاملوں کی نوکوں پر سرخ نقطے تھے جیسے ناگ چینی پر نامعلوم پھول ہوں اُس نے سستیلیوں کے آئینے سامنے کشے، آن پر خون نہ تھا، بلے نشان تھیں تو کسے چھوٹے نوبی انگلیاں سادہ ہی ہیں زنجی نہ گئیں۔ چینی کے لاکھوں ملے بے چھوٹ پھوٹ کر بنتے ہے گر بے نشان..... وہ اکھ کھڑا ہوا..... لوگ دامن سچا کر جاتے ہے تھے وہ سرے داستوں پر، گردہ اُسی راستے پر چلتا چاہتا تھا جس پر وہ آج تک چلتا آیا تھا یونکہ راست اُس کا اپنا مستین کر دے تھا، کسی کو یہ حق نہ تھا کہ اس کی مرضی کے بغیر اُسے بدل دے۔ اُس نے بار بندوں کو پار کرنے کے لیے پاؤں اٹھایا..... ایک دھماکہ ہوا اور بیانگ کے پرندے درختیں سے رخصت ہو گئے..... اُس نے جلدی سے اپنا جسم ٹھوڑا، نئی صرف پیسے کی تھی، تھکا وڈوں کے پیسے کی۔ اُس نے چھر پاؤں اٹھایا، ایک اور دھماکہ ہوا.... وہ چیخ پھٹ گی۔..... تاریکی میں پھٹائی جلنے والی تار صرف تاریکی میں ہی عبرتی جا سکتی ہے، آج نہیں تو نہیں.....

رٹک کے پہلو میں پھولوں کی کیا ریاں تھیں، وہ نیچے اُترا، اپنے چارچھیرے ایک حفاظتی نظر چیلائی اور ایک پھول کے ڈنگل کو چکلی میں دبایا..... تنگ ہکاؤں کی غربتی پھتوں پر بارشوں میں صرف گھاس کے تنکے اُگتے ہیں..... آن شکست فرشوں اور اکھڑتے ہوئے پیشوں والے کروں میں ایک پھول بدہیئت عورت کی گود میں ایک زنگین بسچ ہوتا ہے۔ وہ ہر روز بیانگ میں سے ایک پھول کو جو زنگین بسچ ہے اپنی حفاظتی نظر چیلائی اور ایک پھول کے ڈنگل کو چکلی میں دبایا..... پکھڑیاں دھوپیں کھڑے ہوں کے ہیلی کا پڑ کے پر وہن کی طرح ڈوڈے سے سے بچپل کر علیحدہ ہوئیں اور پوٹے کی جڑ کے چاروں طرف براجھان ہو گئیں، پھول نے اپنی بناوٹ زمین پر سجادی.....

اُس نے ایک اور تنے کو چھکی میں لیا۔ پنکھڑیاں ٹوٹ کر گر گئیں، ایک اور ڈنٹھل کو کپڑا کر اُس نے جلدی سے پھول توڑنے کی کوشش کی..... اس پھرید کے پھو بھی فراہ جھرد گئے..... شاید کیاری میں مر جماہیٹ مرنے کو آگئی ہے..... دوسروی کیاری میں پھول تو انائی سے تنے تھے، اُس نے ڈنٹھل ہاتھ میں لیا اور یہ پرندہ بھی اپنے پر چھوڑ گیا..... اُس نے ہر اس اہم کو رکھیوں کو دیکھا ہن کامس مر جماہیٹ بن گیا تھا..... اُس کے ماتھے پر سرایگی کے پیسے تیرے گولے، لگڑے، بالجھ، اندھے، نامرد و سو سے اُس کے بدن پر بیساکھیوں سے گھستے۔ لگتے سکاری کرتے کی جو اُس کے نصف میں اُتری اور وہ آنکھوں سے خوف اٹھتا تیزی سے گھمر لوث آیا۔ بدہیئت عورت جو کمرہ محتی اُس کی گود میں ایک رنجین بچ تھا جو پھول تھا اچار کے خالی ڈبیے میں تنہا تصویر بنا پھول.....

اُس نے اپنی دلوں انگلیاں آنکھوں کے سامنے حاضر کیں، اُنھیں جانچا، کیا ان میں آنکوپیں نہ مر جماہیٹ بھردی ہے؟ وہ دیے پاؤں آگے بڑھا..... چھکی سے ڈنٹھل کو چھرا..... کچھ بھی نہ تھا، پنکھڑیاں قائم رہیں۔ اُس نے ڈنٹھل چھوڑ کر اپنی آنکھیوں کو خواستے دیکھا اور پھر دھیر سے ڈنٹھل تو چھکی میں دبایا..... پھول موجود رہا۔

اُس نے اٹلیاں کا ایک سیالب اپنے اندر رکھنی پا..... سب دا ہے.... ایکوپی ایک پیچیدہ دا ہم..... مر جماہیٹ ایک اور دا ہم..... دسو سے اپنی اپنی بیساکھیاں پھوڑ کر کچھ بدن سے فرار ہو گئے..... سب دا ہے..... ہا ہا ہا.....

” فلاور میکنگ کلاس میں جانے کا کچھ تو فائدہ ہوا۔ آپ روزانہ چوری چھپے اس کرے کے لیے ایک پھول توڑلاتے تھے، میں نے آج کا غذہ کا بنا کر سجادا دیا..... ہم لگتا ہے نا؟“

وُکے، لگڑے، بالجھ، اندھے، نامرو، دسو سے ہنہاتے ہوتے آتے اور اپنی بیساکھیاں سنبھال کر بین میں چلنے لگے۔ ٹولی لوں سے اذیتیں چھوٹیں، ناگ پھنسی کی نصل جسم سے

چھوٹنے لگی، درد کے بُلبلے چھوٹنے اور پھٹنے لگتے۔ ٹیسریں کی ایک باڑیہنہ چھیدی گئی، تو کوں کا لوٹا چھاتی میں پناہ گزین ہوا۔ یعنی ایک ٹیس، اس کے ہر دوں میں لاکھوں ٹیسیں مدد کر اہتا ہوا بستر پر لیٹ گیا۔ اور اس کے تلووں، گھنٹوں، گردان اور کھلی ہتھیلیوں میں سے میخوں کی گلائی کاشtron آہستہ آہستہ رونے لگا۔

بادشاہ

اور جب دہیل کا جنہ آخڑی مرتب سطح پر اجھڑتا ہے تو ہمی گیر جان جاتے ہیں کہ وہ اب کبھی ندپ پوش نہ ہو سکے گی۔ وہ ختم ہو چکی ہے اور وہ بولاہی کشی سے ملک لگا کر خون آلو دھنپیلوں کو اٹیان سے پوچھتے ہیں اور اس کے سرفی سے تھڑے سفید و ہطر پر ہم چیت گئے کی نظری کاڑے سمندر میں سفر کا پلاسگرٹ سلاک لیتے ہیں۔ وہ جان جلتے ہیں کہ دہیل اپ عافیت کے پانیوں میں دوبارہ ڈکی نہیں لگا سکتی۔ یہ نکر گوشت کے اس تیرتے ہوئے تو فی کے گرد کا پانی پسل مرتبہ ایک غصہ میں زنگنے لگتا ہے۔ اُس کے چاروں اور سمندر رُخت سے بھر جاتا ہے اور وہ جان جاتے ہیں کہ سرخ پھول کھل رہا ہے اور جب سرخ پھول کھل جائے تو دہیل زندہ نہیں رہ سکتی۔ سانس کے پانی کا دہ ذارہ جو سمندر میں سے ایک آبی انار کی طرح پہنکتا تا ہما پھوٹتا تھا۔ اب صرف سطح پر ایک شست پٹکے کی طرح اُبینے کی کرشش کرتا ہے گرفراہ ہمارا ہو رہا ہے۔ دہیل سرخ پھول سکے درمیان گھر کر مر جاتی ہے اور رہ جاتی ہے۔ سانپوں کی طرح شُرکتے سمندر میں ایک چوٹی سی کشتی تامی حیر و اتنی سمرلی کہ ہرنے اور نہ